OPEN ACCESS
Al-Duhaa
﴾Journal of Islamic Studies﴿
ISSN (print): 2710-0812
ISSN (online): 2710-3617
www.alduhaa.com

Al-duhaa, Vol.:3, Issue: 1, Jan -June 2022
DOI:10.51665/al-duhaa.003.01.0178, PP: 409-429

قرآن کریم کا سائنسی اعجاز (جدید سائنسی انکشافات کے تناظر میں ایک تحقیقی مطالعہ)

The Scientific Miraculous Aspect of Holy Quran (A Research Study in the Light of Modern Scientific Revelations)

Published:
01-06-2022
Accepted:
15-05-2022
Received:
31-12-2021

Dr. Fouzia Batool
Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Sargodha
Email: Faouziabatool114@gmail.com
https://orcid.org/0000-0002-1952-6972

Dr. Mohsin Raza
Lecturer, Department of Social Sciences, Uswa College Islamabad
Email: Mhashmi114@gmail.com
https://orcid.org/0000-0001-9882-6502

Dr. Manzoor Hussain
Assistant Professor, Department of Islamic History, Federal Urdu University Abdul Haq Campus, Karachi
Email: Manzoor.hussain@fuuast.edu.pk
https://orcid.org/0000-0002-5244-7600

Abstract

On contrary to the people of ancient societies- who lacked the ability to be trustees of eternal divine law (Shariah) because they used to rely only on their senses- as human perception progressed to a higher level, they were given the eternal divine rule in the form of the Quran- Allah's greatest outstanding miracle. One of the remarkable features of Quran is that it is scientific. The guidance of Quran is eternal and science also keeps coming up with new discoveries. In such a situation, question arises how important and essential is the interpretation of Quran according to the modern scientific revelations? In this regard, a comparative and descriptive research study has been conducted to clarify recent scientific breakthroughs and discoveries in Quran interpretation. The research addresses many modern mind questions. The paper is also a respond to the Quranic call of attention to the signs found on the earth and in the skies in order for man to contemplate them, have faith in Him. We also come across that we don't even have to resort to interpretations in many places rather we can translate the verses in straight and simple way.

Keywords: *Quran, miracle, science, interpretation, discoveries.*

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلق فرمانے کے بعد اولادِ آدم علیہ السلام کے لیے تعلیم و تربیت کا بندوبست فرمایا۔انسان کو اس زندگی کے بنیادی اہداف و مقاصد سے روشناس کرایا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کو پہلی مرتبہ الٰہی قوانین یعنی شریعت عطا کی گئی۔اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ملت اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں انسانی عقل و شعور کا عالم یہ تھا کہ وہ ایک بچھڑے کو اپنا خدا ماننے پر آمادہ ہو گئے۔ دورِ مسیح علیہ السلام میں بنی نوعِ انسان کی اس تربیت گاہ کو اللہ تعالیٰ نے شریعتِ عیسوی کے ذریعے مزید وسعت عطا فرمائی اور انسانی ترقی کے نصاب میں مقدس انجیل کا اضافہ کرکے رحمت، احسان، شفقت اور انسانیت دوستی کی تربیت سے نوازا۔

یہ بنی نوعِ انسان کے ابتدائی ادوار تھے۔ انسان کی تعلیم و تربیت کیلیے ظاہری حواس سے کام لیا گیا اور لوگوں کو محسوس معجزات دکھائے گئے۔ اور بالآخر انسان جب عقل، شعور اور ادراک کے لحاظ سے بالغ ہو چکا تو اس وقت اسے محسوس کی بجائے ایک 'معقول معجزہ' (یعنی قرآن مجید) سے روشناس کروایا گیا۔ کیونکہ اس دور میں انسان میں اتنی قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ اسے ایک جامع نظامِ حیات اور ابدی دستورِ زندگی سے نوازا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صورت میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کو ایک معجزہ عطا فرما کر اسے اس لائق سمجھا کہ وہ اس عظیم امانت کا ذمہ لے۔ اس عظیم نعمت کی معرفت اور اس کے شکر گزاری کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو اچھی طرح سمجھا جائے اور دوسروں کو پڑھایا جائے۔ یہ وہ مقدس کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر خشک اور تر کا ذکر فرما دیا ہے، جسے ہر دور کے اہلِ علم اور مفسرین واشگاف کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جدید سائنسی انکشافات بھی قرآن کے ان رازوں سے پردہ اٹھا رہے ہیں جو قدیم دور کے انسان کے لیے قابلِ فہم نہ تھے۔ لیکن قرآن نے ان کو ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی واضح کر دیا تھا۔

معجزہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

'معجزۃ' باب افعال سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، جس کا اصل مادہ 'عَجْز' ہے۔اس کے معنیٰ عاجز کرنے والے کے ہیں، یہ 'قدرت' کا متضاد ہے۔ لسان العرب میں اس کا معنیٰ ہے کہ: ''العجز نقيض الحزم، والعجز: الضعف، وعجز عن الامر اذا قصر عنه''[1] (یعنی 'عجز' حزم کی نقیض ہے اور اس کا معنیٰ کمزوری اور معذوری کے ہیں۔ جیسے فلاں آدمی کام کرنے سے عاجز ہے یعنی معذور اور قاصر ہے۔) اسی طرح 'معجم الوسیط' میں اس کا مطلب اس طرح بیان ہوا ہے: ''عجز عن الشئ ضعف ولم يقدر''[2] (یعنی فلاں شخص کام سے عاجز آگیا یعنی وہ کمزور ہے اور قدرت نہیں رکھتا۔) قرآن کریم میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے:

"وَالَّذِينَ سَعَوْ فِيٓ ءَايَٰتِنَا مُعَٰجِزِينَ"[3]

ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے متعلق سعی کی کہ (وہ ہمیں) کمزور کردیں۔

اس آیت کے ذیل میں زجاج لکھتے ہیں کہ کافروں نے یہ خیال کیا کہ وہ ہمیں عاجز و کمزور کردیں گے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ قیامت کو اٹھائے نہیں جائیں گے نا جنت اور نا ہی جہنم ہو گی۔[4]

معجزہ کا اصطلاحی معنیٰ

علماء و مفسرین نے معجزے کی اصطلاحی تعریف معنیٰ اس طرح سے بیان کیا ہے:

" أمرخَارِقُ للعادةِ مَقْرُونٌ بِالتحدِّی سَالِمٍ مِنَ المعارضةِ یَظْهرهُ اللّٰہُ عَلیٰ یَدِ رُسُلِہ" [5]

ترجمہ: معجزہ قوانین طبیعت کو توڑنے والا وہ کام ہوتا ہے جس میں تحدی (چیلنج) موجود ہو، جو تعارض سے سلامت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرے۔

اسی سے مماثل تعریف زرقانیؒ نے بھی لکھی ہے۔[6] قاضی عیاض مالکیؒ لکھتے ہیں کہ جو انبیاءِ خدا علیہم السلام اپنے ساتھ لاتے ہیں اُس کو ہم معجزے کا نام اس لئے دیتے ہیں کہ تمام مخلوق اُس کی طرح کی مِثل لانے سے عاجز و کمزور ہوتی ہے۔[7] امام خازن نے معجزے کی وضاحت اس طرح کی ہے: معجزہ خدا کے رسول اور نبی کی طرف سے (انسانوں کے لئے) ایک چیلنج ہوتا ہے۔ معجزہ رسول اور نبی کی حقانیت اور سچائی پر دلیلِ ناطق ہوتا ہے اسے معجزے کا نام اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس کی مِثل و نظیر لانے سے انسانی مخلوق عاجز ہو جاتی ہے۔[8] 'البیان فی تفسیر القرآن' کے مطابق معجزہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی خدائی منصب کا دعوے دار، اپنے دعوے کی تصدیق کے لیے طبعیت کے قوانین کے برخلاف ایسا عمل انجام دے کہ جسے کرنے سے دوسرے لوگ معذور و عاجز ہو جائیں۔[9]

مذکورہ بالا تعریفوں کے مطابق معجزے کے لیے درج ذیل امور ضروری ہیں، ورنہ وہ معجزہ نہیں کہلائے گا:

1۔ اعجازی عمل ایک الٰہی عہدے کے دعویدار سے صادر ہو۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی انسان ایسا عمل انجام دے جسے جہالت یا دیگر وجوہات کی بناء پر دوسرے لوگ انجام دینے سے قاصر ہوں تو یہ معجزہ نہیں کہلائے گا۔

2۔ معجزہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمل قوانینِ طبیعت کے مطابق نہ ہو۔ کیونکہ اگر قوانینِ طبیعت کے مطابق کوئی عمل سرانجام پائے تو وہ معجزہ شمار نہیں ہوگا۔

3۔ یہ ایسا عمل ہو جسے دوسرے لوگ سرانجام دینے سے قاصر اور عاجز ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی تجربہ قوانینِ فطرت کے تحت طبیعت کو مسخّر بنالے تو بھی وہ معجزہ نہیں کہلائے گا۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر شئی بنی نوعِ انسان کے لیے مسخّر کر دی گئی ہے:

"اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً" [10]

ترجمہ: کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔

4۔ معجزہ یا خارقُ العادۃ کام ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت کے تابع ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہبہ ہوتا ہے اس لیے کوئی بھی انسان اس کے وقوع کے زمان اور مکان کا تعین نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ" [11]

ترجمہ: یہ لوگ سخت ترین قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہمارے پاس آ جاوے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اے محمدؐ! ان سے کہو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔

5۔ معجزہ کے ذریعہ مدمقابل کو کھلا چیلنج دیا جاتا ہے اور چیلنج کے الفاظ واضح اور صاف ہوتے ہیں یعنی ایک نبی اس طرح کہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں تم میں اس کو انجام دینے کی طاقت نہیں ہے اور یہ کرنے سے مکمل طور پر عاجز

ہو۔ البتہ بعض علماء تفسیر نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ اگر خارقُ العادۃ کام چیلنج کے ساتھ ہو تو وہ معجزہ کہلائے گا اور اگر اس میں چیلنج نہ ہو تو وہ 'علاماتُ النبوۃ' کہلائے گا۔ جیسا کہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے علامات معجزہ اور کرامت دونوں کو شامل ہے۔اور معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ اخصّ ہوتا ہے۔[12]

معجزے کی ضرورت واہمیت

انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کی خاطر اللہ تعالیٰ کا انبیاء و رسل کو مبعوث کرنا عقلی اور نقلی لحاظ سے ضروری ہے۔ لیکن جب تک رسولوں اور انبیاء خدا کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کوئی ٹھوس اور مضبوط دلیل موجود نہ ہو لوگ انہیں رسول یا نبی کی حیثیت سے قبول نہیں کرتے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان الفاظ میں اعلانِ نبوت کیا:

"وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ"[13]

ترجمہ: اور موسیٰ نے فرمایا: اے فرعون! میں رب العالمین کی طرف سے ایک رسول ہوں۔

اس دعویٰ پر فرعون نے موسیٰؑ سے دلیل مانگتے ہوئے کہا:

"قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ"[14]

ترجمہ: اس (فرعون) نے کہا: اگر تم (دعویٰ رسالت میں) صادق ہو اور کوئی نشانی (دلیل) لائے ہو تو اسے حاضر کرو۔

فرعون کے تقاضائے دلیل سے واضح ہے کہ وہ جناب موسیٰؑ سے کسی معجزے اور واضح نشانی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے الٰہی معجزات کو ظاہر فرمایا تھا۔ فرعون کو معلوم تھا کہ دلیلِ رسالت اگر معجزہ یعنی عاجز کرنے والی نہیں ہو گی تو ہر دوسرا آدمی کوئی بھی دلیل پیش کر کے نبور و رسالت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ دلیل صرف معجزہ میں منحصر ہو جائے تو جھوٹے داعیانِ نبوت آشکار ہو جائیں گے۔

یہ بات بھی اس ضمن میں اہم ہے کہ رسول خدا کا اہم فریضہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان غلط عقائد، اعمال و نظریات، رسم و رواج اور مذاہب و ادیان کو ترک کرنے کی تبلیغ کرے جو کہ انہیں آباواجداد سے وراثت میں ملے ہیں اور یہ انتہائی مشکل فریضہ ہوتا ہے کیونکہ انبیاء لوگوں پر جبراً اپنے پیغام کو لاگو کرنے پر مامور نہیں ہوتے "لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ"[15] (یعنی آپ ان پر مسلط نہیں ہیں) بلکہ انبیاء و رسل کی دعوت و تبلیغ منطق اور دلیل اور محبت و مہربانی پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کے عقائد اور نظریات حتی کہ رسم و رواج کا معاملہ دلوں سے جڑا ہوتا ہے، محض جسم پر تسلط ہو بھی تو عقیدہ و نظریہ کبھی دل میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسول اپنے دعوے کی سچائی کے لیے معجزہ جیسی دلیل پیش کریں۔

قرآن کریم ایک ابدی معجزہ

ازمنہ قدیم کی امتیں عقل اور فہم و ادراک کی اس منزل پر فائز نہیں تھیں کہ انہیں ایسی شریعت سے نوازا جائے جو ابدی خصوصیات اور تقاضوں کی حامل ہو بلکہ ان کی حالت تو یہ تھیں کہ وہ صرف محسوسات کا فہم و ادراک رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اپنا معبود اور خدا بھی صرف محسوس چیز جیسے بتوں یا سورج و چاند ستاروں کو مانتے تھے۔ چنانچہ ان کی سطحِ ذہنی کے

مطابق ان کی طرف بھیجے گئے انبیاء و رسل نے ان کے سامنے محسوس معجزات پیش کیے جیسا کہ عصاءِ موسیٰؑ، ید بیضا، دریا کا شق کرنا اور مریضوں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ محسوس معجزات تھے۔ لیکن مرورِ زماں کے ساتھ بنی نوعِ انسان جب عقل و شعور اور ادراک کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس قابل ہو گیا کہ اسے ایک دائمی ضابطہ حیات اور ابدی شریعت کا امین بنایا جائے تو اسے قرآن کریم کی صورت میں ایک عظیم معجزہ عطا فرمایا گیا جو کہ اعجاز کے ساتھ ساتھ ہدایت، رحمت، شفا اور نظامِ حیات جیسی خصوصیات کا حامل ہے۔

معجزے کی ضرورت و اہمیت دعویٰ کی ضرورت و اہمیت اور عظمت سے مربوط ہے۔ للذا ان دونوں کے مابین تناسب بھی بہت ضروری ہے۔ اس لحاظ سے اگر دعویٰ محدود ہو گا تو معجزہ بھی محدود ہو گا اور اگر دعویٰ وقتی یا عارضی ہو گا تو معجزہ بھی ایک خاص وقت کے لیے ہو گا۔ اور اگر دعویٰ ابدی اور لا محدود ہو گا تو معجزہ بھی ابدی اور لا محدود ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جو معجزات دیے گئے یعنی سحر و ساحری کو توڑنا اور طب و مسیحائی میں مہارت، تو ایسے معجزات تھے جو وقتی تقاضوں کے مطابق محسوس معجزات تھے۔ مگر یہ معجزات اسی زمانہ کے ساتھ ہی تھے کیونکہ ان کے دعووں میں ابدیت و لا محدودیت نہیں تھی۔ لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت و رسالت ایک ابدی اور ہمہ گیر رسالت ہے اس لیے آپ ﷺ کو جو معجزہ عطا کیا گیا ہے وہ نہ تو وقتی ہے نہ محدود ہے، بلکہ ابدی رسالت کی طرح آپ کا معجزہ بھی ابدی شریعت اور دائمی ضابطہ حیات کا حامل ہے۔

قرآن کا چیلنج

معجزہ کی ایک خاصیت یہ بیان کی گئی کہ وہ کھلے لفظوں میں مد مقابل کو چیلنج کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے ابدی و دائمی معجزہ ہونے کے لیے یہی واضح دلیل ہے کہ قرآن کریم چودہ سو سالوں سے اہلِ علم و ادب اور اہلِ فکر و نظر کو واضح الفاظ میں چیلنج پیش کر رہا ہے کہ اس جیسا کلام پیش کر کے دکھائیں مگر تاریخ شاہد ہے کہ آج تک دنیا کا کوئی مفکر، ادیب اور دانشور یا نابغہ اس کھلے چیلنج کا سامنا نہیں کر سکا ہے۔ قرآن کریم کے اس چیلنج کی آواز آج بھی گونج رہی ہے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے:

"فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ"[16]

(پس اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا لائیں)

کبھی دس سورتوں لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے:

"قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ"[17]

(کہدیں: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی خود ساختہ دس سورتیں بنالاؤ)

کبھی ایک مختصر سورت لانے کا چیلنج کیا جاتا ہے:

"اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ‌ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ"[18]

(کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اس قرآن کو محمدؐ نے) از خود بنایا ہے؟ کہدیں: اگر تم (اپنے الزام میں سچے ہو) تو تم بھی اس طرح کی ایک سورۃ بنالاؤ)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتنے صاف لفظوں اس قدر وضاحت کے ساتھ کسی کو چیلنج نہیں دیا جا سکتا۔

یہاں یہ بات بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ قرآن کریم کا چیلنج کسی ایک خاص وقت، خاص قوم، خاص جماعت،

ایک خاص علاقہ یا کسی خاص زمانے کے لوگوں کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ قرآنی چیلنج ایک لازوال اور ابدی حقیقت ہے جس کی آواز قیامت تک گونجتی رہے گی۔ اس چیلنج کا مخاطب بھی بنی نوع انسان ہے بلکہ قرآن کریم تو اس حد تک صراحت کرتا ہے کہ اگر تم شخصی طور پر اس چیلنج کو پورا نہیں کر سکتے اور قرآن مجید کے مقابلے کی سکت نہیں ہے تو تم اجتماعی کوشش کر کے بھی دیکھ سکتے ہو اور اللہ کو چھوڑ کر دنیا بھر کی مدد لے لو اور ہو سکے تو جنوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو تب بھی تم نہیں کر پاؤ گے۔[19]

اعجاز القرآن کی اقسام

اعجاز القرآن کی اقسام اور ان کی وضاحت حسب ذیل ہے:

1۔ قرآن مجید کا اعجازِ بیان

قرآن کریم فصیح و بلیغ عربی میں نازل ہوا ہے۔ قرآن کے فصیح ہونے کا مطلب ہے کہ یہ ایسی عربی زبان میں نازل ہوا جو مستعمل ہے اور اس کے معانی واضح ہیں جن میں کوئی سقم اور پیچیدگی نہیں ہے۔[20] اور قرآن کے بلیغ ہونے کا مطلب لفظ کی بہترین صورت کے ساتھ اس کے معانی کو (قاری) کے قلب تک پہنچانے کے ہیں۔[21] پس قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے معانی انتہائی واضح اور دل پر اثر انداز ہونے والے ہیں۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں سر زمینِ عرب پر نابغہ افراد کی کمی نہیں تھی اور ایسا بھی نہیں تھا کہ ان کے پاس وقت کی کمی ہو لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اس قابل نہیں تھے کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کا بھی مقابلہ کرتے۔ اس لیے کہ کلامِ الٰہی اس قدر دقیق ہے کہ ایک لفظ کا مقام بدل دینے سے بھی جہاں آیت کے معنیٰ میں فرق آجاتا ہے وہیں اس کا طرزِ بیان اور روحِ کلام بھی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور یہ اس کلام کے معجزہ ہونے کا ایک معیار ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے 'سورہ الحمد' کا مقابلہ کرنے کی ایک لاحاصل کوشش کرتے ہوئے اس طرح عبارت تشکیل دی:

(الحمد للرحمن، رب الاکوان، ملک الدیان، لک العبادۃ و بک المستعان، اهدنا صراط الایمان)

حالانکہ 'اللہ' اسمِ ذات ہے جو تمام اوصاف کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا 'حمد' کی نسبت تو اس ذات کی طرف ہوتی ہے جس میں تمام اوصاف پائے جاتے ہوں نہ کہ کسی ایک خاص صفت کی طرف۔ اسی طرح لفظ 'رب' کی اضافت عالمین کی بجائے 'الاکوان' کی طرف درست نہیں، کیونکہ 'الاکوان' 'کَون' کی جمع ہے اور 'کون' حادث ہونے پر دلالت کرتا ہے، وجود اور حدوث کی طرف لفظ 'خلق' کی اضافت تو درست ہو سکتی ہے، یعنی 'خالق الاکوان' کہنا تو کسی حد تک درست ہو سکتا ہے لیکن 'رب الاکوان' کہنا کسی طور پر درست نہیں۔ اس کے برعکس 'عالمین' کی طرف 'رب' کی نسبت میں بہت زیادہ رموز و اسرار ہیں جو ہمارے دائرہ بیان سے باہر ہیں۔[22]

2۔ قرآن مجید کا تشریعی اعجاز

رسول اکرم ﷺ نے قرآن کریم تئیس سال کی مدت میں امت کے سامنے پیش فرمایا۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ نے انتہائی کٹھن حالات اور بہت سی جنگوں کا بھی سامنا کیا۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں اگر محمد مصطفیٰ ﷺ صرف بشری اور

انسانی حیثیت سے یہ قانون دے رہے ہوتے تو یقینی طور پر اس عرصے میں پیش کیے جانے والے قانون کے اجزاء اور شقوں میں تضاد اور اختلاف آسکتا تھا جبکہ ہمیں پورے قرآن اور قانونِ اسلام میں کہیں بھی کوئی تضاد نہیں ملتا۔ چنانچہ اس حوالے سے بھی قرآن کریم کا چیلنج موجود ہے:

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا"[23]

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

قرآن مجید نے رسول ﷺ کی ذات کو بھی چیلنج کے طور پر پیش کیا ہے کہ دیکھو محمد ﷺ نے اپنی ہی قوم میں زندگی بسر کی درحالانکہ اس دوران انہوں نے کسی کی شاگردی اختیار کی نہ کسی مدرسہ کا رخ کیا۔ اس لیے کہ مکہ کے اس معاشرے میں تو کوئی عالم بھی موجود نہیں تھا اور نہ ہی جزیرہ عرب کبھی علم کا مرکز رہا، اس سب کے باوجود آپ ﷺ نے ایسا مکمل اور جامع نظامِ زندگی دیا کہ جس کی مثال لانے میں نہ صرف ان کے زمانے کے لوگ عاجز تھے بلکہ آج بھی کوئی ایسا نظام زندگی پیش نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کے لائے گئے اس نظام میں کوئی عیب یا نقص بھی نہیں ثابت کر سکتا۔ اس کو قرآن مجید واضح چیلنج کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ 'اگر اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا اس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟'[24]

چنانچہ چالیس سال رسول اللہ ﷺ نے اس قوم میں زندگی گذاری اور اس دوران نہ تو آپ ﷺ نے کوئی شعر کہا، نہ کوئی خطبہ ارشاد فرمایا اور نہ کوئی اور عظیم ادبی ہنر دکھایا اور پھر مختصر عرصہ میں قرآن کریم جیسی عظیم ترین کتاب اور دینِ اسلام جیسا جامع دستورِ زندگی دیا۔ اس طرح کی نظیر کائنات میں موجود نہیں ہے۔

3۔ قرآن مجید کا سائنسی اعجاز

قران مجید کے اعجاز کا ایک سائنسی اور تجربی پہلو بھی نمایاں ہے۔ سائنس کی آج کی اس ترقی کے دور وہ تمام حقائق سامنے آ رہے ہیں جو تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کر دیے تھے۔ اس لیے اگر یہ کلامِ بشر ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ ایک انسان ان حقائق سے پردہ اٹھاتا جب کہ اس دور میں سائنسی حقائق سے آشنائی کے کوئی وسائل بھی موجود نہیں تھے۔ اور اگر قرآن کے بتائے ہوئے سائنسی حقائق میں حقیقت نہ ہوتی تو قرآن مجید انسان کو فکر وتدبر، تحقیق وتدقیق اور عقل سے کام لینے کی دعوت کیوں دیتا بلکہ قرآن تو اس عمل کو عبادت قرار دیتا ہے اور اسے ترک کرنے والوں کی مذمت کرتا ہے۔ ارشاد ہوا:

"قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ"[25]

ترجمہ: کہہ دیجیے: تم زمین میں چل کر دیکھ لو کہ خلقت کی ابتداء کیسے ہوئی!

آیت کا پہلا حصہ مشاہدہ کی دعوت ہے۔ قرآن مجید اور سائنس دونوں ہی 'مشاہدے' کو معارفِ انسانی کی اساس قرار دیتے ہیں۔ اور دوسرا حصہ (فَانْظُرُوْا) یعنی عقل کا استعمال کرو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مشاہدات و محسوسات کی بنیاد پر عقل کو یہ سمجھنے کا موقع ملے گا کہ (كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ) یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی بار مخلوق کو کیسے پیدا کیا۔

اس آیت سے ایک حیرت انگیز یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم اس طرزِ استدلال کو صحیح قرار دیتا ہے جس

میں محسوسات اور مشاہدات پر مبنی عقلی استدلال اور نتیجہ گیری ہو۔ صرف مشاہدہ یا صرف عقلی استدلال سے کسی مفہوم تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اسی مفہوم کو ایک اور آیت میں مزید وضاحت سے بیان کیا گیا:

"اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا"[26]

ترجمہ: کیا یہ لوگ زمین میں سیر نہیں کرتے کہ ان کے دل عقل سمجھ سے کام لینے والے بن جاتے؟

اس آیت میں دلوں کے تعقل کو (سِيْرُوْا فِي الْاَرْض) کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے جو کہ نہایت قابل توجہ امر ہے۔

مزید برآں قرآن عظیم نے علمی اعتبار سے بھی چیلنج دیا ہے کہ غور کرو تو اس میں ہر شی کے بارے بیان کر دیا گیا ہے:

"وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ"[27]

ترجمہ: اور کوئی ایسا خشک و تر نہیں ہے جو اس کھلی کتاب میں موجود نہ ہو۔

ذیل میں ہم جدید سائنسی انکشافات کا جائزہ قرآن مجید کی روشنی میں لیتے ہیں۔

1۔ زمین

قران مجید میں بہت ساری ایسی آیات ہیں جن میں زمین کی خلقت، اس کی انتہا اور دیگر خصائص کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اور اس کو نشانیوں کا خزینہ قرار دیا ہے:

"وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ"[28]

(اور زمین میں اہل یقین کے لیے نشانیاں ہیں)

ماہرین ارضیات (جیالوجسٹ) اپنی سالہاسال کی تحقیقات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زمین ابتدا میں ایک آتشیں کرہ تھی، اس کے بعد تدریجاً سرد ہونا شروع ہوئی، پھر بارش کا دور شروع ہوا، پھر اس کے بعد سبزہ اگنا شروع ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید زمین کے ارتقائی مراحل کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰهَا ۞ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۞ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۞ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۞ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا"[29]

ترجمہ: کیا تمہاری خلقت آسمان بنانے سے زیادہ مشکل کام ہے کہ اس نے آسمان کو بنایا ہے اس کی چھت کو بلند کیا اور پھر برابر کر دیا ہے اس کی رات کو تاریک بنایا ہے اور دن کی روشنی نکال دی ہے اس کے بعد زمین کا فرش بچھایا ہے اس میں سے پانی اور چارہ نکالا ہے۔

اس آیہ مبارکہ یہ واضح ہوتا ہے: پہلا مرحلہ: رات اور دن کا سلسلہ، دوسرا مرحلہ: دحو الارض (زمین کو حرکت دینا)، تیسرا مرحلہ: سبزہ اگایا جانا۔

زمین کے ارتقائی مراحل کو دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا:

"قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ"[30]

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے ساری زمین کو دو دن میں پیدا کر دیا ہے اور اس کا مثل قرار دیتے ہوئے جب کہ وہ عالمین کا پالنے والا ہے ۔ اور اس نے اس زمین میں اوپر سے پہاڑ قرار دے

دیئے ہیں اور برکت رکھ دی ہے اور چار دن کے اندر تمام سامان معیشت کو مقرر کردیا ہے جو تمام طلبگاروں کے لئے مساوی حیثیت رکھتا ہے۔

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے درج ذیل چیزوں کو ترتیب وار خلق فرمایا: 1۔ پہلے زمین کو خلق فرمایا، 2۔ اس کے بعد اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔ 3۔ اس کے بعد زمین کو قابل سکونت بنایا (بٰرَكَ فِيْهَا)، 4۔ زمین پر بسنے والوں کے لیے روزی مقرر کی۔

حرکت زمین: اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا) [31] (اور اس کے بعد اس (اللہ) نے زمین کو بچھایا)

مفسرین نے دحو کا ترجمہ و تفسیر "بچھانا" کیا ہے کیونکہ قدماء کے لیے حرکت ارض ایک ناقابل تصور و توجیہ امر تھا۔ تاج العروس میں دحو کے یہ معنی لکھتے ہیں:

"دحا السیل بالبطحاء: دحی و المطر الداحی الذی یدحو الحصی عن وجه الارض بنزعه دحی الرمی بقهر"[32]

(یعنی سیلاب نے کنکروں کو دور پھینک دیا۔ اس بارش کو المطر الداحی کہتے ہیں جو کنکروں کو زمین سے اکھاڑ پھینکتی ہے طاقت کے ساتھ دور پھینکنے کو الدحی کہتے ہیں۔)

المنجد میں تحریر ہے کہ دحی الحجر بیده کا معنی ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے پتھر پھینکا۔[33]

یوں لغت کی رو سے مندرجہ بالا آیت کے معنی یہ ہو سکتے ہیں: اس کے بعد اس نے زمین کو حرکت دے دی۔ البتہ الدَّحْوُ بچھانے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اس لیے یہ ماننا مشکل ہے کہ یہ آیت حرکت زمین پر صراحتاً دلالت کرتی ہے۔ دوسری جگہ زمین کی حرکت کے بارے میں ایک اور لطیف اشارہ ملتا ہے:

(الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا) [34] (جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا)

گویا زمین کو گہوارے سے تشبیہ دے کر اس چیز کی طرف اشارہ فرمایا کہ زمین انسانوں کے لیے گہوارہ اس لیے ہے کہ اس کی حرکت میں سکون اور گردش میں لذت اور جنبش میں تنوع ہے۔ زمین کی حرکت کو مزید وضاحت کے ساتھ قرآن و سنت میں اس لیے بیان نہیں کیا گیا کہ قرآن ایک ایسے زمانے میں نازل ہو رہا تھا جس میں حرکت زمین کسی اعتبار سے بھی ناقابل فہم بات تھی۔

زمین خلا میں:

قرآن مجید جس زمانے میں نازل ہوا، اس وقت زمین کے بارے میں لوگوں کا نظریہ اس حد تک خرافاتی تھا کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ زمین کو ایک گائے اپنے سینگ پر اٹھائے ہوئے ہے یا زمین پشتِ نہنگ پر واقع ہے۔ ایسے ماحول میں عام فکر سے ہٹ کر قرآن نے یہ واضح کیا:

"اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا"[35]

ترجمہ: بیشک اللہ زمین و آسمان کو زائل ہونے سے روکے ہوئے ہے اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی سنبھالنے والا ہوتا تو اب تک دونوں زائل ہو چکے ہوتے وہ بڑا اَبُردبار اور بخشنے والا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں یُمْسِک کا لفظ آیا ہے جس کے معنی تھامنے کے ہیں۔ قرآن ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

"اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا"[36]

(کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے کِفَات نہیں بنایا)

تاج العروس میں مرقوم ہے کہ کفات سرعت سے پرواز کرنے کو کہتے ہیں۔[37] زمین کی پرواز قدماء کے لیے قابل فہم نہ ہونے کی وجہ سے کِفَات کے معنی انہوں نے "جمع" کے لیے اور آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے: کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔

کفاتاً مصدر ہے یا مفعول مطلق ہے، فعل محذوف ہے یعنی تکفت کفاتا اور کفاتاً بمعنی اسم فاعل بھی آ سکتا ہے۔ اس صورت میں احیاءً وامواتًا حال بنے گا یا مفعول بہ یعنی زندوں اور مردوں کو لے کر پرواز کرنے والی زمین۔

زمین۔ قدرت کا ریکارڈر:

قیامت کے دن زمین کی طرف سے انسانی اعمال کی گواہی اور انسان کا ان اعمال کا مشاہدہ کرنے کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا"[38]

(اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی کہ تمہارے پروردگار نے اسے اشارہ کیا ہے)

قدماء کے لیے خود عمل دکھائے جانے کا تصور ناقابل فہم تھا اس لیے انہوں نے "تجسم اعمال" کے ساتھ اس کی تاویل کی اور کہا:

"فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ"[39]

سے مراد ہے کہ عمل کی جزا اور سزا دیکھے گا۔ خود عمل تو دنیا میں ہو چکا، وہ دوبارہ دیکھنے کے قابل نہیں۔ حالانکہ قرآن میں اس آیت سے پہلے صراحتاً کہا گیا ہے:

"لِّيُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ"[40]

اس صراحت کی بھی وہ تاویل کرتے تھے کہ اعمال مجسم ہو کر سامنے آئیں گے۔ لیکن آج تاویل کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اعمال بصورت انرجی باقی رہتے ہیں اور فضائے زمین سے ناپید نہیں ہوتے، بلکہ فضائے زمین انسانی حرکات وسکنات کو اور اقوال وافعال کو اپنے اندر ضبط اور محفوظ کر لیتی ہے۔[41]

ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

"وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا"[42]

ترجمہ: اور سب اپنے اعمال کو بالکل حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا ہے۔

مفسرین نے یہاں بھی تاویل کی کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال مجسم ہو کر سامنے موجود ہوں گے۔ یہ تاویلات اس لیے تھیں کہ علمائے قدیم کے لیے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ یہ زمین ایک کتاب کی طرح ہے جس میں خود عمل ثبت ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ جب انسان اس آفاقی کتاب کا بروز قیامت مشاہدہ کرے گا تو کہے گا:

"وَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰىهَا"[43]

ترجمہ: ہائے افسوس اس کتاب نے تو چھوٹا بڑا کچھ نہیں چھوڑا ہے اور سب کو جمع کرلیا ہے۔

انسان اپنے خود عمل کو قیامت کے دن کیسے دیکھ سکے گا؟ یہ بات قرآن مجید میں بڑے واضح پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ"[44]

(یقیناً تم اس کی طرف سے غفلت میں تھے تو ہم نے تمہارے پردوں کو اُٹھادیا ہے اور اب تمہاری نگاہ بہت تیز ہو گئی ہے)

تجسیم اعمال کی ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ سائنسی اعتبار سے جیسا کہ مادہ انرجی میں بدل جاتا ہے اور انرجی مادے میں بدل جایا کرتی ہے، لہٰذا انسانی اعمال اگرچہ آج انرجی ہیں، کل بروز قیامت یہ اعمال مادے کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ چنانچہ بعض روایات سے بھی اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ انسانی تسبیح و تمجید جنت میں خشت و خاک کی صورت اختیار کرلے گی۔ جس سے قصور و محلات تعمیر ہوں گے۔[45]

2۔ استخوان کا نظام

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ہڈیاں اعصاب پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہیں اور تولیدِ نسل میں بھی ہڈیوں کا بڑا عمل دخل ہے۔ ہڈیوں میں غذائی مواد کا ایک ذخیرہ موجود ہوتا ہے جس سے جسم ہنگامی ضرورت پوری کرتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ خون میں موجود سرخ جثیموں سے انسانی جسم میں خون اپنا فعال کردار ادا کرتا ہے جس کی وجہ سے ہر منٹ میں 180 ملین جثیمے استعمال ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کی جگہ تازہ دم جثیمے پیدا کرنے کی ذمہ داری ہڈیوں پر عائد ہوتی ہے۔ ہڈیوں سے بہت سے قدیم مسائل کے حل میں مدد لی جاتی ہے۔ سائنسدان مردوں کی ہڈیوں سے ان کی عمریں، مرض، جنس، قد، نژاد، جرم غرض ان کی زندگی اور ماحول وغیرہ کی پوری تاریخ کا مطالعہ کرلیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہڈیوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا"[46]

ترجمہ: پھر ان ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح جوڑ کر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

3۔ عناصر کی مقدار

کائنات میں موجود عناصر ایک خاص مقدار میں تشکیل پاتے ہیں۔ عناصر کی اپنی ذاتی تشکیل یا دوسرے عناصر کے ساتھ اتحاد دونوں باتیں ایک معینہ مقدار اور ایک آفاقی محکم قانون کے تحت انجام پاتی ہیں۔ عناصر کی تشکیل میں ایک جامع آفاقی نظام کے انکشاف کے بعد سائنسدانوں نے دیکھا کہ مختلف عناصر کے درمیان کچھ کڑیاں غائب ہیں جو موجود ہونی چاہئیں۔ ان کی تلاش ضروری ہے۔ چنانچہ بعد میں عین اسی تسلسل کے مطابق مزید عناصر کا انکشاف ہوا اور تشکیل عناصر کے آفاقی نظام کے تحت کڑیاں مل گئیں۔ چنانچہ شمسی نظام کے تحت مشتری اور مریخ کے درمیان کڑیاں نہیں ملتی تھیں اور سائنسدانوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ان دونوں سیاروں کے درمیان ایک اور سیارہ ہونا چاہیے اور اسے تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ بعد میں اس سیارے کا انکشاف ہوا اور یہ کڑی بھی مل گئی۔

قرآن مجید نے اس آفاقی نظام اور کائنات کے حسابی قوانین کی طرف کس جامع اور لطیف انداز میں دو لفظوں میں ارشارہ فرمایا ہے:

"وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ "[47]

(اور ہر شے کی اس کے نزدیک ایک مقدار معین ہے)

4۔ نظریہ اضافت

نیوٹن کی طرف سے کشش ثقل کے انکشاف کے بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ فوق اور تحت مطلق وجود نہیں رکھتے بلکہ یہ دونوں اضافتی مفہوم ہیں کہ ایک جگہ کچھ لوگوں کے لیے تحت ہے اور عیناًوہی جگہ کچھ دوسرے لوگوں کے لیے فوق ہے۔ لیکن ایک اور سائنسدان آئن سٹائن نے نظریہ اضافت قائم کرکے یہ بھی ثابت کردیا کہ دنیا میں ہر شے اضافتی ہے۔ یہ کائنات یک گونہ نہیں ہے۔ منجملہ زمان بھی مطلق نہیں، بلکہ اضافتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی چیز نور کی رفتار سے زیادہ سرعت سے سفر کرے تو اس کا وقت اور سفر نہ کرنے والی دوسری اشیاء کا وقت مختلف ہوگا۔ بعض سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق اگر کوئی شخص خلائی جہاز میں نور کی رفتار سے سفر کرے تو جب اس مسافر کو سفر کرتے ہوئے صرف 29 سال گزریں گے تو زمین والوں کے لیے تین ملین یعنی 30 لاکھ سال گزر چکے ہوں گے۔[48]

اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت ہماری توجہ مرکوز کرتی ہے:

"يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ"[49]

ترجمہ: وہ خدا آسمان سے زمین تک کے اُمور کی تدبیر کرتا ہے پھر یہ امر اس کی بارگاہ میں اس دن پیش ہوگا جس کی مقدار تمہارے حساب کے مطابق ہزار سال کے برابر ہوگی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعاً اس آیت سے مراد نظریۂ اضافت ہی ہو لیکن ایک امکانی صورت موجود ہو سکتی ہے کیونکہ نظریہ اضافت ایک تھیوری سے زیادہ نہیں ہے۔

4۔ نظام زوجیت

نزول قرآن سے پہلے عام خیال یہ تھا کہ زوجیت کا نظام حیوانات اور نباتات میں ہی قائم ہے۔ لیکن قرآن کریم کے انکشاف کے مطابق زوجیت ایک کائناتی نظام ہے اور ہر شے زوجیت پر قائم ہے۔ حتیٰ کہ کائنات کی سب سے چھوٹی مخلوق (ایٹم) بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ"[50]

(اور ہر شے میں سے ہم نے جوڑا بنایا ہے کہ شاید تم نصیحت حاصل کرسکو)

ایک اور آیت میں اللہ نے نظام زوجیت کو تین مختلف عوالم میں تقسیم فرمایا ہے: 1۔ عالم نباتات؛ 2۔ عالم انفس؛ 3۔ عالم مجہولات۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ"[51]

ترجمہ: پاک و بے نیاز ہے وہ خدا جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا ہے ان چیزوں میں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور ان کے نفوس میں سے اور ان چیزوں میں سے جن کا انہیں علم بھی نہیں ہے۔

نظام زوجیت ان چیزوں میں بھی موجود ہے جنہیں انسان جانتے تک نہیں۔ حتیٰ کہ وہ کل کائنات کا جوڑا اینٹی (Anti) کائنات تلاش کیا جارہا ہے۔

5۔ تسبیح ایک آفاقی فریضہ

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا کام صرف انسان ہی نہیں کرتے بلکہ غیر انسانی مخلوقات بھی کرتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ"[52]

ترجمہ: اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یہ اور بات ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو۔

مفسرین نے یہاں پر ہر شے کی تسبیح سے مراد یہ لیا ہے کہ ان چیزوں کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتا ہے یا ان کے وجود میں جو حکمت الٰہیہ مضمر ہے، یعنی ہر چیز بزبان حال بتاتی ہے کہ ان حکمت آمیز اشیاء کا خالق ہر نقص و شرک سے پاک ہے۔ مگر یہ تفسیر درج ذیل وجوہ کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے:

1۔ اس آیت میں فرمایا گیا:

"لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ"

(تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو)

لیکن اگر تسبیح سے مراد یہی تکوینی تسبیح ہے تو اسے تو ہم سمجھ بھی رہے ہیں اور بیان بھی کر رہے ہیں۔

2۔ دوسری جگہ پر ارشاد ہوا ہے کہ یہ اشیاء اپنی دعا و تسبیح کا علم بھی رکھتی ہیں:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ"[53]

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اور فضا کے صف بستہ طائر سب تسبیح کر رہے ہیں اور سب اپنی اپنی نماز اور تسبیح سے باخبر ہیں۔

پس اگر یہ تکوینی تسبیح ہے تو خود اشیاء کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

3۔ قرآن کریم نے ان میں سے بعض کی تسبیح کے لیے وقت بھی بتایا ہے کہ پہاڑ صبح و شام تسبیح پڑھتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

"اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ"[54]

ترجمہ: ہم نے ان کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ صبح و شام تسبیح پروردگار کریں۔

اگر تسبیح سے مراد تکوینی تسبیح ہے تو اس کا کوئی وقت نہیں ہوتا بلکہ یہ تو غیر ارادی طور پر خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں کی تسبیح کا وقت بھی مقرر ہے اور معین وقت کی تسبیح کبھی بھی بلاشعور نہیں ہو سکتی ہے۔[55]

چنانچہ جدید سائنسی انکشافات بھی یہ نتیجہ ظاہر کرتی ہیں کہ پودوں میں بھی شعور و ادراک موجود ہے۔ اور پودے بھی انسانوں کی طرح حواس رکھتے ہیں اگرچہ استعمال مختلف ہو سکتا ہے۔[56] چنانچہ یہ امر ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پودوں میں ڈر، خوشی، سرمستی اور دیگر قسم کے شعور موجود ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ آنے والے دنوں میں اس سلسلے میں مزید انکشافات ہوں گے۔ یوں قرآن ہر دور میں اپنا تازہ ترین معجزہ پیش کرتا رہے گا۔

6۔ فضائے آسمان

قرآن مجید نے فضائے آسمان کی کیفیت اس زمانے میں بتائی جب لوگوں کو ابھی یہ بھی علم نہ تھا کہ اگر انسان اس میں بلند ہو جائے تو کیسے حالات سے دوچار ہو گا۔ لیکن اس صدی کے انسان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ انسان زمین سے جتنا بلند ہوتا جاتا ہے، ہوا اتنی ہی رقیق سے رقیق تر ہوتی جاتی ہے۔ زیادہ بلندی پر پہنچ جانے کی صورت میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے انسان کے

لیے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے مزید بلند ہونے پر انسان تنگی تنفس سے ہلاک ہو سکتا ہے۔ یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد درج ذیل آیت میں قرآن کا پیش کردہ مفہوم واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے:

"فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ"[57]

ترجمہ: پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار گزار بنا دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو۔

7۔ آسمانوں کی زندہ مخلوقات

اگرچہ سائنسدانوں کو یہ توقع ہے کہ دیگر سیاروں پر زندگی کے آثار موجود ہو سکتے ہیں لیکن آج تک انسان سوائے ظن و تخمین کے کسی آسمانی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جان سکا۔ لیکن قرآن کریم نے مکمل وضاحت سے بتا دیا کہ آسمانوں میں بھی زندہ مخلوقات موجود ہیں:

"وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ"[58]

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی خلقت اور ان کے اندر چلنے والے تمام جاندار ہیں اور وہ جب چاہے ان سب کو جمع کر لینے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اس آیہ شریفہ میں ان مخلوقات کے آئندہ ایک جگہ جمع ہونے کی پیشین گوئی بھی ہے۔ للذا جب انسان آسمانی مخلوق سے آشنائی پیدا کرے گا اور یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھیں گے تو اس وقت قرآن مجید "وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ" کے الفاظ میں تازہ ترین معجزہ پیش کر رہا ہو گا۔

8۔ کائنات کی وسعت

کائنات کا متناہی یا لا متناہی ہونا ایک سے الگ بحث ہے، لیکن اب تک انسان نے اس کائنات کی وسعت کے بارے میں جو علم حاصل کیا ہے، وہ اگرچہ حقیقت کائنات کے مقابل تو ہیچ ہے، لیکن پھر بھی اس سے کائنات کا ایک عظیم نقشہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس وسیع کائنات میں ابھی کئی کہکشائیں ایسی بھی ہیں جن کی روشنی ہم تک نہیں پہنچی۔ یعنی کھربوں سال سے ان کی روشنی مسافت طے کر رہی ہے مگر ابھی تک وہ زمین پر نہیں پہنچ سکی۔[59]

علم فلکیات کا یہ نظریہ اب ماہرین کے ہاں مسلمہ قرار پا چکا ہے کہ یہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ اور کہکشائیں ہم سے دور ہٹ رہی ہیں۔ 1917ء میں جب آئن سٹائن نے اضافت عمومی کی مساوات کا نظریہ پیش کیا تھا تو اس نے ثابت کیا تھا کہ یہ کائنات یا تو سکڑ رہی ہے یا پھیل رہی ہے۔ جب کہ اس سے پہلے کے ماہرین کائنات کو ثابت اور غیر متحرک سمجھتے تھے۔ اس وقت نظریے کو اپنے نظریہ اضافت عمومی کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے آئن سٹائن نے مجبوراً "مستقل کائنات" کا نظریہ قائم کیا جو خود اس کے اپنے نظریے سے متصادم تھا۔ چنانچہ بعد میں اس نے خود اعتراف بھی کیا کہ میری زندگی میں یہ سب سے بڑی سائنسی غلطی کا ارتکاب تھا۔[60]

بعدازاں یہ بات واضح اور عیاں ہو گئی کہ یہ جہاں اور کائنات بہت تیزی سے پھیل رہا ہے اور کہکشائیں دور ہٹ رہی ہیں اور مزید یہ انکشاف بھی ہوا کہ کسی کہکشاں کے دور ہٹنے کی رفتار اس فاصلے سے متناسب ہے جو ہمارے اور اس کہکشاں کے درمیان ہے۔

خالق کائنات نے اس کا پہلے ہی یوں اعلان کر رکھا ہے:

"وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ"[61]

ترجمہ: اور آسمان کو ہم نے اپنی طاقت سے بنایا ہے اور ہم ہی اسے وسعت دینے والے ہیں۔

علامہ اقبال نے اس حقیقت کو شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید — کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون[62]

9۔ مخمور آنکھیں

آسمان کی خلاؤں میں روشنی مختلف رنگوں میں یوں رقص کیا کرتی ہے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی آنکھیں کسی سحر کا شکار ہو گئی ہیں۔ سائنس فکشن میں معروف آرتھر کلارک نے اپنی کتاب "انسان اور خلا" میں اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے ایک باب مخصوص کیا ہے جس میں اس نے خلانوردوں کے بیانات تحریر کیے ہیں کہ جب وہ خلائے بسیط میں پہنچے تو انہوں نے وہ عجب رنگا رنگ، چمک دمک اور اس سے ایک ہم آہنگی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی اور انہیں محسوس ہوا کہ گویا ان پر نشہ طاری ہوگیا ہے یا ان کے آنکھوں کو جادو کر دیا گیا ہے۔[63]

اس حوالے سے قرآن مجید میں ملتا ہے:

"وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِيۡهِ يَعۡرُجُوۡنَ لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ"[64]

ترجمہ: ہم اگر آسمان میں ان کے لئے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ لوگ دن دھاڑے اسی دروازے سے چڑھ جائیں۔ تو بھی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو مدہوش کر دیا گیا ہے اور ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو خلا میں سب سے پہلے خلانورد کے الفاظ وہی تھے جو قرآن نے فرمائے ہیں۔مزید تحقیق قرآن کے اس بیان سے مزید پردے اٹھا سکتی ہے۔

10۔ نطفہ امشاج

باپ کے صلب سے سے رحمِ مادر کی طرف مادہ منویہ کی منتقلی انسان کو خود شناسی اور پھر خدا شناسی سے روشناس کراتی ہے۔ یہ نطفہ کروڑوں جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ دوسری طرف تخم عورت کے رحم کے آخری سرے پر موجود ایک نلی میں ہوتا ہے۔جرثومے اور تخم کا ملاپ اسی نلی میں ہوتا ہے۔جرثوموں کی ایک بڑی تعداد اس تخم میں داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے۔جب ایک جرثومہ اپنی نوکِ سر کے ذریعے تخم میں داخل ہونے میں کامیابی حاصل کرلیتا ہے تو اسی لمحے باقی تمام ناکام جرثوموں کو باہر دھکیل دیا جاتا ہے۔

انسان کے جسم میں موجود جسمانی خلیہ کا مرکزہ 46 کرموسومز (Chromosomes) پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک مستقل سیل (Cell) ہوتا ہے لیکن جنسی خلیہ کا مرکزہ 23 کروموسومز (Chromosomes) پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ جسمانی خلیے کا نصف ہوتے ہیں۔ چنانچہ انسانی تخلیق کے ایک مستقل سیل (Cell) کی تشکیل کے لیے مرد اور عورت میں سے ہر ایک 23 کروموسومز فراہم کرتے ہیں، جن سے ایک مستقل سیل (Cell) قرآنی اصطلاح کے مطابق 'نطفہ امشاج' یعنی مخلوط نطفہ وجود میں آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

"اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًا ۢ بَصِيۡرًا"[65]

ترجمہ: یقینا ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے تاکہ اس کا امتحان لیں اور پھر اسے سماعت اور بصارت والا بنادیا ہے۔

'امشاج' جمع ہے 'مشج' کی۔ 'نطفہ امشاج' میں امشاج صفت ہے نطفہ کی۔ امشاج کے جمع ہونے کی صورت میں نطفہ کو بھی جمع ماننا پڑے گا کیونکہ عربی گرائمر میں مفرد لفظ کی صفت بھی مفرد اور جمع لفظ کی صفت بھی جمع ہی آتی ہے۔ نطفہ اس حالت کو کہتے ہیں کہ جس میں 23 باپ کے اور 23 ماں کے کروموسومز کا ملاپ اور اختلاط ہو۔ لہٰذا جدید ترین نظریہ اس آیت کے ساتھ صحیح مطابقت رکھتا ہے۔

مُضغۂ غیر مخلقۃ:

ارشادِ باری ہوتا ہے:

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی"[66]

ترجمہ: اے لوگو اگر تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے میں شبہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے ہی تمہیں پہلے خاک سے بنایا ہے پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جس میں سے کوئی مکمل ہو جاتا ہے اور کوئی ناقص ہی رہ جاتا ہے تاکہ ہم تمہارے اوپر اپنی قدرت کو واضح کردیں ہم جس چیز کو جب تک چاہتے ہیں رحم میں رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ"[67]

ترجمہ: پھر نطفہ کو علقہ بنایا ہے اور پھر علقہ سے مضغہ پیدا کیا ہے اور پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا کی ہیں اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ہے پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنادیا ہے تو کس قدر بابرکت ہے وہ خدا جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے۔

مندرجہ بالا آیات کے مطابق انسان کے مراحل تخلیق یہ ہیں:

1۔ تراب (مِّنْ تُرَابٍ)

2۔ نطفہ امشاج (مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ)

3۔ لوتھڑا (مِنْ عَلَقَةٍ)

4۔ بوٹی (مِنْ مُّضْغَةٍ)

5۔ ہڈی (فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا)

6۔ گوشت (فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا)

7۔ خلق آخر (ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ)

علماءِ تفسیر و مترجمین نے 'مُخَلَّقَةٍ' کا معنیٰ 'پوری' اور 'غَیْرِ مُخَلَّقَة' کا ترجمہ 'ادھوری' کیا ہے جو ظاہراً درست

معلوم نہیں ہوتا ہے کیونکہ 'مُخَلَّقَة' اور 'غَيْرِمُخَلَّقَة' اس مُضْغَةٍ کی صفت ہے جس سے انسان خلق ہو رہا ہے اس لیے 'ادھوری' سے تو خلق ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ جدید سائنسی نظریات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ مُضْغَة کی دو ذمہ داریاں ہیں: پہلی بچے کی تخلیق ہے اور دوسری اس کی حفاظت۔ مضغه مخلقة کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بچے کے اعضاء و جوارح تشکیل کرے جبکہ 'مضغه غير مخلقة' کا کام یہ ہے کہ وہ اسے اپنی حفاظت میں رکھے اور اس کے لیے غذا کا انتظام کرے۔ چنانچہ ظلماتِ ثلاثہ میں بند اس نازک مخلوق کے لیے چھ جہات سے غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔

مُضْغَة کے درمیان ایک اہم چیز ہوتی ہے جس سے دماغ اور حرام مغز کی تخلیق ہوتی ہے اور اس کے ساتھ میں چند ایسے ٹکڑے ہوتے ہیں جن کی مدد سے ریڑھ کی ہڈی بنتی ہے۔ پھر تمام جسم کی ہڈیاں بنتی ہیں پھر ان کے اوپر گوشت کا لباس چڑھایا جاتا ہے۔ 'فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا' (اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ہے)۔

نتائج البحث:

مذکورہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1. قرآن مجید ایک ابدی معجزہ ہے اس کا تعلق محض کسی خاص زمان یا مکان تک نہیں ہے بلکہ رہتی دنیا تک یہ قابل ہدایت ہے۔
2. قرآن مجید کی حقانیت وصداقت اس سے بھی ثابت ہے کہ یہ ہر دور کے اہل فکر کو غور اور تدبر کی طرف راغب کرتا ہے۔
3. قرآن مجید کی حقانیت وصداقت اس سے بھی ثابت ہے کہ جس دور میں یہ نازل ہوا تب ایسے آلات اور ٹیکنالوجی موجود نہیں تھی جو آج کے انسان کو دستیاب ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی ان حقائق کو واضح کیا جنہیں آج کا سائنسدان منکشف کر رہا ہے۔
4. سائنس کا کوئی بھی نظریہ حتمی نہیں ہوتا بلکہ آنے والے کسی تجربے سے وہ ختم ہو سکتا ہے لیکن قرآن کا اس حوالے سے نکتہ نظر حتمی ہوتا ہے۔
5. سائنس کی مزید ترقی اور کائنات کے پوشیدہ رازوں تک رسائی قرآن مجید کی شرح و تفسیر میں مزید اضافہ کرتی جائے گی۔ اور اہل عقل و شعور کے لیے باعث ہدایت ہوگا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی وحوالہ جات

[1] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، لبنان، طبع اول، س-ن، ج:، ص:369
Ibn-e-Manzūr, Muḥmmad Mukaram, Lisān Al 'Arab, (Nāshir: Bayrūt: Dār Ṣādir,), Vol:5,

P:369

2 مجموعۃ المؤلفین، معجم الوسیط، دار الدعوۃ، قاہرہ، 1999ء، ج: 2، ص: 585

Group of Writers, Al Mu'jam Al Wasīt, (Nāshir: Cairo: Dār Al Da'wah, 1999ac), Vol:2, P: 585

3 سبا، الآیہ: 5

Sabā, Al Āyah: 5

4 ابن منظور، لسان العرب، ج: 5، ص: 369

Ibn-e-Manzūr , Lisān Al 'Arab, Vol:5, P:369

5 سیوطی، جلال الدین، علامہ، الاتقان فی علوم القرآن، دار التراث العربی، بیروت، طبع اول، 1997ء، ج: 1، ص: 368

Sayūtī, Jalāl Al Dīn, 'Allāmah, Al Itqān Fī 'Ulūm Al Qurān, (Nāshir: Bayrūt: Dār Al 'Arabi, 1997ac), Vol:1, P:368

6 زرقانی، محمد عبد العظیم، مناھل العرفان، دار الفکر، بیروت، طبع اول، 1996ء، ج: 1، ص: 66

Zarqānī, Muḥmmad 'Abdul 'Azīm, Manāhil Al 'Irfan, (Nāshir: Bayrūt: Dār Al Fikr, 1996ac), Vol:1, P:66

7 قاضی عیاض، الشفاء، دار الفکر، بیروت، لبنان، طبع اول، ج: 1، ص: 349

Qāzī, 'Ayād, Al Shifā, (Nāshir: Bayrūt: Dār Al Fikr, 1997ac), Vol:1, P:349

8 الخازن، علی بن محمد، لباب التاویل فی معانی التنزیل، دار صادر، بیروت، طبع اول، ج: 3، ص: 74

Al Khāzin, 'Alī bin Muḥmmad, Lubāb Al Tāwīl fī M'ani Al Tanzīl, (Nāshir: Bayrūt: Dār Ṣādir), Vol:3, P:74

9 خوئی، سید ابو القاسم، البیان فی تفسیر القرآن، منشورات انوار الھدیٰ، تہران، طبع اول، 2002ء، ج: 1، ص: 17

Khūī, Sayyid Abū al Qāsim, Al Bayān fī Tafsīr Al Qurān, (Nāshir: Tehrān: Manshūrat Anwār Al Hudā), Vol:1, P:17

10 لقمان، الآیۃ: 20

Luqmān, Al Āyah:20

11 الانعام، الآیۃ: 109

Al An'ām, Al Āyah:109

12 العسقلانی، بن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت، طبع اول، ج: 6، ص: 581-582

Al 'Asqalānī, Ibn Ḥajar, Aḥmad bin 'Alī, Fatḥul bārī, (Nāshir: Bayrūt: Dār Al Marifah), Vol:6, P:581-582

13 الاعراف، الآیۃ: 104

Al A'rāf, Al Āyah:104

14 الاعراف، الآیۃ: 104

Al A'rāf, Al Āyah:106

15 الغاشیۃ، الآیۃ: 22

Al Ghāshiyah, Al Āyah:22

16 الطور، الآیۃ: 34

Al Ṭūr, Al Āyah:34

17 ھود، الآیۃ: 13

Hūd, Al Āyah:13

[18] یونس، الآیۃ:38

Yūnus, Al Āyah:38

[19] الاسراء، الآیۃ:88

Al Isrā, Al Āyah:88

[20] مصطفیٰ مسلم، مباحث فی اعجاز القرآن، دار المسلم، ریاض، طبع اول، 1416ھ، ص:125

Muṣṭafā Muslim, Mabāhis Fī I'jāz Al Qurān, (Nāshir: Riyad: Dār Al Muslim, 1416ah), P:125

[21] ایضاً

Ibid

[22] خوئی، سید ابوالقاسم، البیان فی تفسیر القرآن، ج:1، ص:95

Khūī, Sayyed Abū Al Qāsim, Al Bayān fī Tafsīr Al Qurān, Vol:1, P: 95

[23] النساء، الآیۃ: 82

Al Nisā, Al Āyah:82

[24] یونس، الآیۃ:16

Yūnus, Al Āyah:16

[25] عنکبوت، الآیۃ:20

'Ankabūt, Al Āyah:20

[26] حج، الآیۃ:46

Ḥajj, Al Āyah:46

[27] الانعام، الآیۃ:59

Al An'ām, Al Āyah:59

[28] الذاریات، الآیۃ:20

Al Dhāriyāt, Al Āyah:20

[29] النازعات، الآیۃ: 27۔31

Al Nazi'āt, Al Āyah:27-31

[30] حم سجدہ، الآیۃ: 9۔10

Ḥāmīm Sajdah, Al Āyah:9-10

[31] النازعات، الآیۃ: 30

Al Nazi'āt, Al Āyah:30

[32] زبیدی، مرتضی، تاج العروس، دار التراث العربی، بیروت، 1999ء، ج: 1، ص:8380

Zubaydī, Murtaḍā, Tāj Al 'Urūs, (Nāshir: Bayrūt: Dār Al Turas Al Arabi, 1999ac),Vol:1, P: 8380

[33] لوئیس معلوف، المنجد فی اللغۃ، المطبعہ الکاثولیکیۃ، بیروت، طبع 19، ص: 234

Luways, M'alūf, Al Munjid, (Nāshir: Bayrūt: Maṭba'ah al Kāthūlīkiyyah), P:234

[34] طہ، الآیۃ:53

Ṭāhā, Al Āyah:53

[35] فاطر، الآیۃ: 41

Fāṭir, Al Āyah:41

[36] المرسلات،الآیۃ: 25-26

Al Mursalāt, Al Āyah:25-26

[37] زبیدی، تاج العروس، ج: 1، ص:1159

Zubaydī, Tāj Al 'Urūs, 1/1159

[38] زلزلۃ،الآیۃ: 4-5

Zalzalah, Al Āyah:4-5

[39] زلزلہ،الآیۃ: 7-8

Zalzalah, Al Āyah:7-8

[40] زلزلہ،الآیۃ: 6

Zalzalah, Al Āyah:6

[41] نجفی، محسن علی، بلاغ القرآن، دار القرآن، اسلام آباد، طبع دوم، 1436ھ، ص: 908

Najafī, Mohsin 'Alī, Balāgh Al Qurān, (Nāshir: Islamabad: Dār Al Qurān, 1436ah), P:908

[42] کہف،الآیۃ: 49

Kahaf, Al Āyah:49

[43] ایضاً

Ibid

[44] ق،الآیۃ: 22

Qāf, Al Āyah:22

[45] نجفی، محسن علی، بلاغ القرآن، ص: 909

Najafī, Mohsin 'Alī, Balāgh Al Qurān, P:909

[46] البقرۃ،الآیۃ: 259

Al Baqarah, Al Āyah:259

[47] رعد،الآیۃ: 8

Ra'ad, Al Āyah:8

[48] *Martin Gardener, Relativity For Million, NY: Macmillon, 1962, P:89*

[49] السجدۃ،الآیۃ: 5

Al Sajdah, Al Āyah:5

[50] الذاریات،الآیۃ: 49

Al Dhāriyāt, Al Āyah:49

[51] یاسین،الآیۃ: 36

Yāsīn, Al Āyah:36

[52] الاسراء،الآیۃ: 44

Al Isrā, Al Āyah:44

[53] النور،الآیۃ: 41

Al Nūr, Al Āyah:41

[54] ص،الآیۃ: 18

Ṣād, Al Āyah:18

[55] نجفی، محسن علی، بلاغ القرآن، ص:912

Najafī, Mohsin 'Alī, Balāgh Al Qurān, P:909

56 https://thequietbranches.com/2015/01/26/plant-senses/, Retrieved on 10-12-19

[57] الانعام،الآیۃ:125

Al An'ām, Al Āyah:125

[58] الشوریٰ،الآیۃ:29

Al shūrā, Al Āyah:29

[59] *https://www.bbc.com/urdu/science/story/2004/05/040529_universe_size_am.shtml, Retrieved on 11-12-19*

[60] *Maxwell,W. A, Scientific Theories, NY: 2003, P:128*

[61] الذاریات،الآیۃ: 47

Al Dhāriyāt, Al Āyah:47

[62] اقبال، محمد،علامہ، کلیات اقبال (بال جبریل)،الفیصل ناشران،لاہور،2010، ص:388

Iqbāl, Muḥmmad, Allāmah, Kuliyāt Iqbāl, (Nāshir: Lahore: Al Faisal Nashran), P:388

[63] *Arthur C Clark, Man and Space, New York: 1964, P: 187*

[64] الحجر،الآیۃ:14-15

Al Ḥajr, Al Āyah: 14-15

[65] الدھر،الآیۃ:2

Al Dhar, Al Āyah:2

[66] حج،الآیۃ: 5

Ḥajj, Al Āyah:5

[67] المؤمنون،الآیۃ:14

Al Mu,minūn, Al Āyah:14